ماہ محرم

اہل سنت کے غور و فکر کیلئے چند باتیں

تحریر:
حافظ صلاح الدین یوسف لاہور

ماہ محرم کی بدعات ورسومات غیر شرعیہ کے علاوہ واقعہ کربلا سے متعلق بھی اکثر اہل سنت کا زاویۂ فکر صحیح نہیں، اس سلسلے میں چند باتیں پیش خدمت ہیں، امید ہے کہ اہل سنت حلقے اس پر پوری سنجیدگی، متانت اور علم وبصیرت کی روشنی میں غور فرمائیں گے۔

کیا یہ معرکہ حق و باطل کا تھا یا عام معمول کے مطابق ایک حادثہ؟ اس سلسلے میں پہلی بات یہ ہے کہ اہل سنت کے خطباء اور واعظین فلسفہ شہادت حسینؓ کو بالعموم اس طرح بیان کرتے ہیں جو خالصتاً شیعی انداز فکر اور رافضی آئیڈیالوجی کا مظہر ہوتا ہے اور اس کے متعلق یہ باور کرایا جاتا ہے کہ یہ تاریخ اسلام میں حق و باطل کا سب سے بڑا معرکہ تھا اور واعظین خوش بیان یہ نہیں سوچتے کہ اگر ایسا ہی ہوتا تو اس دوران خیر القرون میں جبکہ صحابہ کرامؓ کی بھی ایک معتدبہ جماعت موجود تھی اور ان کے فیض یافتگان تابعین تو بکثرت تھے، اس معرکہ میں حضرت حسینؓ ہی اکیلے کیوں صف آرا ہوتے؟ معرکہ ہوتا حق و باطل اور کفر و اسلام کا اور صحابہؓ و تابعینؒ اس سے نہ صرف یہ کہ الگ الگ رہتے بلکہ حضرت حسینؓ کو بھی اس سے روکتے، کیا ایسا ممکن تھا؟ شیعی آئیڈیالوجی تو یہی ہے کہ وہ (معاذ اللہ) صحابہ کرامؓ کے کفر و ارتداد اور منافقت کے قائل ہیں اور وہ یہی کہیں گے کہ ہاں اس معرکہ کفر و اسلام میں ایک طرف حسینؓ تھے اور دوسری طرف صحابہؓ سمیت یزید اور دیگر ان کے تمام حمایتی، صحابہؓ و تابعینؒ اس جنگ میں خاموش تماشائی بنے رہے اور حسینؓ نے اسلام کو بچانے کیلئے جان کی بازی لگادی، لیکن کیا اہل سنت اس نقطہ نظر کو تسلیم کرلیں گے؟ کیا صحابہؓ و تابعینؒ کی اس بے غیرتی و بے حمیتی کی وہ تصدیق کریں گے جو شیعی انداز فکر کا منطقی نتیجہ ہے؟ کیا صحابہ کرامؓ نعوذ باللہ بے غیرت تھے؟ ان میں دینی حمیت اور دین کو بچانے کا جذبہ نہیں تھا؟ یقیناً کوئی اہل سنت صحابہ کرامؓ کے متعلق اس قسم کا عقیدہ نہیں رکھتا لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت بھی بڑی تلخ ہے کہ اہل سنت شہادت حسینؓ کا جو فلسفہ بیان کرتے ہیں وہ اسی تال سر سے ترتیب پاتا ہے جو شیعیت کا مخصوص راگ ہے، واقعہ یہ ہے کہ سانحہ کربلا کو معرکہ حق و باطل باور

کرانے سے صحابہ کرامؓ کی عظمت کردار اور ان کی دینی حمیت مجروح ہوتی ہے اور شیعوں کا مقصد بھی یہی ہے لیکن یہ ہمارے سوچنے کی بات ہے کہ واقعہ ایسا ہے یا نہیں؟ تو حقیقت یہ ہے کہ یہ حق و باطل کا تصادم نہیں تھا، یہ کفر و اسلام کا معرکہ نہیں تھا، یہ اسلامی جہاد نہیں تھا، اگر ایسا ہوتا تو اس راہ میں حضرت حسینؓ اکیلے نہ ہوتے، ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تعاون بھی انہیں حاصل ہوتا جن کی پوری عمریں اعلائے کلمۃ اللہ میں گزریں جو ہمہ وقت باطل کیلئے شمشیر برہنہ اور کفر و ارتداد کیلئے الٰہی للکار تھے، یہ تصادم دراصل ایک سیاسی نوعیت کا تھا، اس نکتے کو سمجھنے کیلئے حسب ذیل پہلو قابل غور ہیں:

۱۔ واقعاتِ کربلا سے متعلق سب ہی تاریخوں میں ہے کہ حضرت حسینؓ جب کوفے کی طرف کوچ کرنے کیلئے تیار ہو گئے تو ان کے رشتہ داروں اور ہمدردوں نے انہیں روکنے کی پوری کوشش کی اور اس اقدام کے خطرناک نتائج سے ان کو آگاہ کیا، ان میں حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابوسعید خدری، حضرت ابوالدرداء، حضرت ابو واقد لیثی، جابر بن عبداللہ، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت حسین کے بھائی محمد بن الحنفیہ رضی اللہ عنہم نمایاں ہیں، آپؓ نے ان کے جواب میں یہ عزم سفر ملتوی فرمایا نہ اپنے موقف کی کوئی دلیل پیش کی، ورنہ ممکن تھا کہ وہ بھی اس موقف میں ان کے ساتھ تعاون کیلئے آمادہ ہو جاتے، دراصل حضرت حسینؓ کے ذہن میں یہ بات تھی کہ اہل کوفہ ان کو مسلسل کوفہ آنے کی دعوت دے رہے ہیں یقیناً وہاں جانا مفید ہی رہے گا۔

۲۔ یہ بھی تمام تاریخوں میں آتا ہے کہ ابھی آپؓ راستے ہی میں تھے کہ آپؓ کو خبر پہنچی کہ کوفے میں آپ کے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل شہید کر دیئے گئے ہیں۔ جن کو آپؓ نے کوفے کے حالات معلوم کرنے کیلئے ہی بھیجا تھا، اس المناک خبر سے آپؓ کا اہل کوفہ پر سے اعتماد متزلزل ہو گیا اور واپسی کا عزم ظاہر کیا لیکن حضرت مسلم بن عقیلؓ کے بھائیوں نے یہ کہہ کر واپس ہونے سے انکار کر دیا کہ ہم تو اپنے بھائی مسلم کا بدلہ لیں گے یا خود بھی مر جائیں گے، اس پر حضرت حسینؓ نے فرمایا: ''تمہارے بغیر میں بھی جی کر کیا کروں گا؟'' (فَهَمَّ أن يَّرجِعَ وكان معه اخوة مسلم بن عقيل فقالوا ألا نرجع حتى نصيب بثارنا أو نقتل) [تاریخ طبری ۵/۳۸۶] ''چنانچہ حضرت حسینؓ نے واپسی کا ارادہ کر لیا لیکن آپ کے ساتھ مسلم بن عقیل کے جو بھائی تھے انہوں نے کہا کہ ہم تو اس وقت تک واپس نہیں جائیں گے جب تک کہ ہم انتقام نہ لے لیں یا پھر خود بھی قتل ہو جائیں''، اور یوں اس قافلے کا سفر کوفے کی طرف جاری رہا۔

۳۔ پھر اس پر بھی تمام تاریخیں متفق ہیں کہ حضرت حسینؓ جب مقام کربلا پر پہنچے تو گورنر کوفہ ابن زیاد نے عمر بن

سعد کو مجبور کر کے آپؓ کے مقابلے کیلئے بھیجا، عمر بن سعدؓ نے آپؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپؓ سے گفتگو کی تو متعدد تاریخی روایتوں کے مطابق حضرت حسینؓ نے ان کے سامنے یہ تجویز رکھی، (اختر منی احدی ثلاث اما أن الحق بثغر من الثغور واما أن أرجع الی المدینه و اما أن أضع یدی فی ید یزید بن معاویة فقبل ذالک عمر منه)[الاصابہ۲/۱۷] یعنی ''تین باتوں میں سے ایک بات مان لو، میں یا تو کسی اسلامی سرحد پر چلا جاتا ہوں یا واپس مدینہ منورہ لوٹ جاتا ہوں یا پھر میں (براہ راست جا کر) یزید بن معاویہؓ کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیتا ہوں (یعنی اس سے بیعت کر لیتا ہوں) عمر بن سعد نے ان کی یہ تجویز قبول کر لی''۔

ابن سعد نے خود منظور کر لینے کے بعد یہ تجویز ابن زیاد (گورنر کوفہ) کو لکھ کر بھیجی مگر اس نے اس تجویز کو ماننے سے انکار کر دیا اور اس بات پر اصرار کیا کہ پہلے وہ (یزید کیلئے) میرے ہاتھ پر بیعت کریں۔ (فکتب الیه عبید الله (ابن زیاد) لا أقبل منه حتی یضع یده فی یدی)

حضرت حسینؓ اس کیلئے تیار نہ ہوئے اور ان کی طبع خوددار نے یہ گوارا نہیں کیا، چنانچہ اس شرط کو مسترد کر دیا، جس پر لڑائی چھڑ گئی اور آپؓ کو مظلومانہ شہادت کا یہ حادثہ فاجعہ پیش آ گیا۔ (فانا للّٰه وانا الیه راجعون، فامتنع الحسین فقاتلوه... ثم کان آخر ذلک ان قتل رضی الله عنه وارضاه)

اس روایت کے مذکورہ الفاظ جس میں حضرت حسینؓ نے بیعتِ یزید پر رضامندی کا اظہار فرمایا ''الاصابہ'' کے علاوہ ''تہذیب التہذیب''[۲/۳۲۸، ۳۵۳] تہذیب طبری[۵/۳۹۲، ۴۱۳، ۴۱۴، طبع جدید] تہذیب تاریخ ابن عساکر[۴/۳۲۴، ۳۲۶، ۳۳۷] البدایہ والنہایہ[۸/۱۷۰، ۱۷۵] اور کامل ابن اثیر[۳/۲۸۳] اور دیگر کئی کتابوں میں موجود ہیں، حتیٰ کہ شیعی کتابوں میں بھی ہیں، ان کے دوسرے الفاظ بھی ہیں تاہم نتیجے میں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ ان تاریخی شواہد سے معلوم ہوا کہ اگر یہ حق و باطل کا معرکہ ہوتا تو کوفے کے قریب پہنچ کر جب آپؓ کو مسلم بن عقیل کی مظلومانہ شہادت کی خبر ملی تھی، آپؓ واپسی کا عزم ظاہر نہ فرماتے، ظاہر بات ہے کہ راہِ حق میں کسی کی شہادت سے احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ ساقط نہیں ہو جاتا۔ پھر ان شرائطِ مصالحت سے جو آپؓ نے عمر بن سعد کے سامنے رکھیں، یہ بات بالکل نمایاں ہو جاتی ہے کہ آپؓ کے ذہن میں کچھ تحفظات تھے بھی تو آپؓ ان سے دست بردار ہو گئے تھے، بلکہ یزید کی حکومت تک کو تسلیم کر لینے پر آمادگی ظاہر کر دی تھی، ایک یہ بات اس سے واضح ہوئی کہ سیدنا حسینؓ، امیر یزید کو فاسق و فاجر یا حکومت کا نااہل نہیں سمجھتے تھے، اگر ایسا ہوتا تو وہ کسی حالت میں بھی اپنا ہاتھ اس کے

ہاتھ میں دینے کیلئے تیار نہ ہوتے، جیسا کہ وہ تیار ہوگئے تھے بلکہ یزید کے پاس جانے کے مطالبے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپؓ کو ان سے حسن سلوک کی ہی توقع تھی، ظالم وسفاک بادشاہ کے پاس جانے کی آرزو (آخری چارہ کار کے طور پر بھی) کوئی نہیں کرتا۔ اس تفصیل سے ان حادثے کے ذمہ دار بھی عریاں ہو جاتے ہیں اور وہ ہے ابن زیاد کی فوج، جو سب وہی کوفی تھے جنہوں نے آپؓ کو خط لکھ کر بلایا تھا، انہی کوفیوں نے عمر بن سعد کی سعی مصالحت کو بھی ناکام بنادیا جس سے کربلا کا یہ المناک سانحہ شہادت پیش آیا۔

حضرت عثمانؓ اور حضرت عمرؓ کی شہادت: بہتر ہے کہ ایام محرم میں اس موضوع سے ہی احتراز کیا جائے کہ ان دنوں میں اس سانحے کو اپنے بیان وخطابت کا موضوع بنانا بھی شیعیت کو فروغ دینا ہے کیونکہ تاریخ اسلام میں اس سے بھی زیادہ اہم تر شہادتوں کو نظر انداز کر کے سانحہ کربلا کو اجاگر کرنا یہ بھی رفض وتشیع ہی کا انداز ہے، حضرت عثمانؓ کی شہادت کچھ کم جگر سوز اور دل دوز ہے جو ۱۸ ذوالحجہ کو ہوئی؟ حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت عظمیٰ کیا معمولی سانحہ ہے جو یکم محرم کو پیش آیا؟ اسی طرح اور بڑی بڑی شہادتیں ہیں لیکن ان سب کو نظر انداز کر کے صرف شہادتِ حسینؓ کو اپنی زبان وقلم کا موضوع بنانا کسی طرح صحیح نہیں اور جو شخص ایسا کرتا ہے وہ بالواسطہ یا بلاواسطہ اور شعوری یا غیر شعوری طور پر شیعی انداز فکر کو فروغ دینے کا باعث بنتا ہے۔

''امام'' اور ''علیہ السلام'': اسی طرح اہل سنت کی اکثریت حضرت حسینؓ کو بلا سوچے سمجھے ''امام حسین علیہ السلام'' بولتی ہے، حالانکہ سیدنا حسینؓ کے ساتھ ''امام'' کا لفظ بولنا اور اسی طرح رضی اللہ عنہ کی بجائے ''علیہ السلام'' کہنا بھی شیعیت ہے، ہم تمام صحابہ کرامؓ کے ساتھ عزت واحترام کیلئے ''حضرت'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں، حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ وغیرہ، ہم کبھی ''امام ابوبکر صدیق'' ''امام عمر'' نہیں بولتے، اسی طرح ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسمائے گرامی کے بعد ''رضی اللہ عنہ'' لکھتے اور بولتے ہیں، اور کبھی ''ابوبکر صدیق علیہ السلام'' یا حضرت عمر علیہ السلام'' نہیں بولتے، لیکن حضرت حسینؓ کے ساتھ رضی اللہ عنہ کے بجائے ''علیہ السلام'' بولتے ہیں، کبھی اس پر بھی غور کیا کہ ایسا کیوں ہے؟ دراصل یہ شیعیت کا وہ اثر ہے جو غیر شعوری طور پر ہمارے اندر داخل ہوگیا ہے، اس لئے یاد رکھئے کہ چونکہ شیعوں کا ایک بنیادی مسئلہ ''امامت'' کا بھی ہے اور امام ان کے نزدیک انبیاء کی طرح منجانب اللہ نامزد اور معصوم ہوتا ہے، حضرت حسینؓ بھی ان کے بارہ اماموں میں سے ایک امام ہیں، اس لئے ان کیلئے ''امام'' کا لفظ بولتے ہیں، ہمارے نزدیک وہ ایک صحابی رسول ﷺ ہیں ''امام معصوم'' نہیں، نہ ہم شیعوں کی امامت

معصومہ کے قائل ہی ہیں، اس لئے ہمیں انہیں دیگر صحابہ کرامؓ کی طرح ''حضرت حسین رضی اللہ عنہ'' لکھنا اور بولنا چاہیے ''امام حسین علیہ السلام''، نہیں کہ یہ شیعوں کے معلوم عقائد اور مخصوص تکنیک کے غماز ہیں۔

ایک اعتراض اور اس کی وضاحت: بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ امام ابن تیمیہؒ، امام ابن القیمؒ اور امام بخاریؒ وغیرہ کا استعمال جب عام ہے اور مذکورہ فقہاء و محدثین اور علماء کو ''امام'' لکھا اور بولا جاتا ہے تو حضرت حسینؓ کے ساتھ ''امام'' لکھنا کیوں غلط ہے؟ اور کیا ایسا کرنا بعد کے ائمہ و علماء کو حضرت حسینؓ پر فوقیت دینا نہیں ہے؟ اس سلسلے میں ہم عرض کریں گے کہ حدیث و فقہ کے مسلمہ عالم و فقیہ کو امام لکھنا اگر کسی کے نزدیک حضرت حسینؓ پر فوقیت دینا ہے تو سوال یہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ کیلئے تو امام نہیں لکھا جاتا لیکن ائمہ اربعہ اور سینکڑوں علماء و فقہاء کو لوگ امام لکھتے ہیں تو کیا وہ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ وغیرہ لکھ کر انہیں ابوبکرؓ و عمرؓ سے فوقیت دیتے ہیں؟ بلکہ احناف تو امام ابوحنیفہؒ کو ''امام اعظم'' لکھتے ہیں، کیا ہم پوچھ سکتے ہیں کہ حضرت حسینؓ کیلئے صرف امام اور ابوحنیفہؒ کیلئے امام اعظم، کیا یہ حضرت حسینؓ کی توہین نہیں؟ اور آگے بڑھیے، تمام صحابہ کرامؓ کیلئے حضرت کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے بلکہ نبی اکرم ﷺ کیلئے بھی بالعموم یہی لفظ ''حضرت یا آنحضرت ﷺ'' ہی استعمال ہوتا ہے لیکن بہت سے لوگ مولانا احمد رضا خان بریلوی کو ''اعلیٰ حضرت'' لکھتے اور بولتے ہیں، کیا اس طرح صحابہ کرامؓ کی اور خود ختمی مرتبت ﷺ کی توہین نہیں؟ اس لئے اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ علماء و فقہاء کیلئے امام کے لفظ کا استعمال اس معنی میں ہوتا ہے کہ وہ حدیث و فقہ کے ماہر تھے، حضرت حسینؓ کیلئے اس معنی میں استعمال کیا جاسکتا ہے تو اس میں نہ صرف کہ کوئی حرج نہیں بلکہ اس معنی میں وہ بعد کے ائمہ سے زیادہ اس لفظ کے مستحق ہیں، لیکن بات تو یہ ہو رہی ہے کہ حضرت حسینؓ کو اس معنی میں امام نہیں کہا جاتا، اگر ایسا ہوتا تو ابوبکرؓ و عمرؓ و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی امام لکھا اور بولا جاتا کہ وہ علوم قرآن و حدیث کے حضرت حسینؓ سے بھی زیادہ رمز شناس تھے، جب کسی بڑے سے بڑے صحابی کیلئے امام کا لفظ نہیں بولا جاتا تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ صرف حضرت حسینؓ کے ساتھ اس لفظ کا استعمال ان معنوں میں قطعاً نہیں جن میں اس کا استعمال عام ہے بلکہ یہ شیعیت کے مخصوص عقائد کا غماز ہے، اس لئے اہل سنت کو اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

یزید پر سب و شتم کا مسئلہ: اسی طرح ایک مسئلہ یزید پر سب و شتم کا ہے جسے بدقسمتی سے رواج عام حاصل ہو گیا ہے اور بڑے بڑے علامہ فہامہ بھی یزید کا نام برے الفاظ سے لیتے ہیں بلکہ اس پر لعنت کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں سمجھتے اور اس کو ''حب حسینؓ'' اور ''حب اہل بیتؓ'' کا لازمی تقاضا سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ بھی اہل سنت

کے مزاج اور مسلک سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے، محققین علمائے اہل سنت نے یزید پر سب وشتم کرنے سے بھی روکا ہے اور اسی ضمن میں اس امر کی صراحت بھی کی ہے کہ یزید کا قتلِ حسینؓ میں نہ کوئی ہاتھ ہے نہ اس نے کوئی حکم دیا نہ اس میں اس کی رضامندی شامل تھی۔ ہم یہاں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کے اقوال کے بجائے امام غزالیؒ کی تصریحات نقل کرتے ہیں جن سے عام اہل سنت بھی عقیدت رکھتے ہیں، وہ فرماتے ہیں: ترجمہ ''حضرت حسینؓ کو یزید کا قتل کرنا یا ان کے قتل کرنے کا حکم دینا یا ان کے قتل پر راضی ہونا تینوں باتیں درست نہیں اور جب یہ باتیں یزید کے متعلق ثابت ہی نہیں تو پھر یہ بھی جائز نہیں کہ اس کے متعلق ایسی بدگمانی رکھی جائے کیونکہ کسی مسلمان کے متعلق بدگمانی رکھنا حرام ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے، بنابریں ہر مسلمان سے حسن ظن رکھنے کے وجوب کا اطلاق یزید سے حسن ظن رکھنے پر بھی ہوتا ہے''۔ [وفیات الأعیان ۲/۳۵۰، طبع جدید] اسی طرح اپنی معروف کتاب احیاء العلوم میں فرماتے ہیں: ترجمہ ''اگر سوال کیا جائے کہ کیا یزید پر لعنت کرنی جائز ہے کیونکہ وہ (حضرت حسینؓ کا) قاتل ہے یا قتل کا حکم دینے والا ہے تو ہم جواب میں کہیں گے کہ یہ باتیں قطعاً ثابت نہیں ہیں اور جب تک یہ باتیں ثابت نہ ہوں اس کے متعلق یہ کہنا جائز نہیں کہ اس نے قتل کیا یا قتل کا حکم دیا''۔ [وفیات الأعیان ۳/۱۳۱] پھر مذکورۃ الصدر مقام پر اپنے فتوے کو آپؒ نے ان الفاظ پر ختم کیا ہے: ترجمہ ''یزید کیلئے رحمت کی دعا کرنا (رحمتہ اللہ علیہ کہنا) نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے اور وہ اس دعا میں داخل ہے جو ہم کہا کرتے ہیں۔ (اللھم اغفر للمؤمنین والمؤمنات) ''یا اللہ مومن مردوں اور عورتوں سب کو بخش دے'' اس لئے کہ یزید مؤمن تھا''۔ [وفیات الأعیان ۲/۴۵۰]

مولانا احمد رضا خاں کی صراحت: مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی جو تکفیر مسلم میں نہایت بے باک مانے جاتے ہیں، یزید کے بارے میں یہ وضاحت فرمانے کے بعد کہ امام احمدؒ وغیرہ اسے کافر جانتے ہیں اور امام غزالی وغیرہ مسلمان کہتے ہیں، اپنا مسلک بیان کرتے ہیں کہ ''اور ہمارے امام سکوت فرماتے ہیں کہ ہم نہ مسلمان کہیں نہ کافر، لہٰذا یہاں بھی سکوت کریں گے''۔ [احکام شریعت: ۸۸ حصہ دوم]

یزید کیلئے رحمتہ اللہ علیہ کا استعمال: یہاں بھی بعض لوگ کہتے ہیں کہ یزید تو فاسق وفاجر اور ایسا ویسا تھا، اسے ''رحمتہ اللہ علیہ'' کیوں کر کہا جاسکتا ہے؟ لیکن ہم عرض کریں گے کہ مان لیجئے کہ یزید واقعی ایسا تھا جیسا کہ مشہور کر دیا گیا ہے لیکن کیا فاسق وفاجر کیلئے مغفرت کی دعا کرنی جائز نہیں ہے؟ کیا آج تک شخصی طور پر کسی زانی یا شرابی یا چور یا قاتل مسلمان کیلئے دعائے مغفرت ورحمت سے کسی عالم نے روکا ہے؟ اور اگر شرابی اور زانی کیلئے مغفرت ورحمت کی دعا

کرنی جائز ہے تو ''رحمۃ اللہ علیہ'' کا مطلب بھی تو مغفرت ورحمت کی دعا ہے، اس کا مفہوم کچھ اور تو نہیں، اسی طرح سوچئے کہ آج تک کسی عالم نے کسی زانی یا شرابی یا چور یا قاتل مسلمان کی نماز جنازہ پڑھنے سے انکار کیا ہے؟ اگر نہیں کیا تو از خود ایسے مجرموں کیلئے ''رحمۃ اللہ علیہ'' کہنا ثابت ہوگیا کیونکہ نماز جنازہ تو مغفرت ورحمت کی دعا ہے، اگر ایک کبیرہ گناہ کے مرتکب کیلئے نماز جنازہ پڑھنی جائز ہے بلکہ ضروری پڑھی جاتی ہے تو پھر اسے ''رحمۃ اللہ علیہ'' کہنے میں کیا حرج ہے؟ اگر یہ نکتہ کسی کے ذہن میں نہیں آتا تو ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ کسی کیلئے مغفرت ورحمت کیلئے دعا کرنے میں یا اس کی نماز جنازہ پڑھنے میں یا اس کیلئے ''رحمۃ اللہ علیہ'' کہنے میں کیا فرق ہے؟ ہمارے نزدیک تو تینوں کا مفہوم ایک ہی ہے، اگر لوگوں کے نزدیک کچھ فرق ہے تو وضاحت فرمائیں کہ ان کے درمیان کیا فرق ہے؟ تاکہ ہمیں بھی معلوم ہو سکے کہ ایک مرتکب کبیرہ گناہ مسلمان کی نماز جنازہ تو پڑھنی جائز بلکہ ضروری ہے لیکن اس کیلئے ''رحمۃ اللہ علیہ'' کہنا جائز نہیں، اس لئے کہ ان کے درمیان یہ فرق ہے، جب تک یہ وضاحت نہیں کی جائے گی، عقل ونقل کی رو سے یزید کیلئے ''رحمۃ اللہ علیہ'' یا ''رحمہ اللہ تعالیٰ'' کا استعمال صحیح ہوگا۔

فسق وفجور کے افسانے: رہی بات یزیدؒ کے فسق وفجور کے افسانوں کی تو یہ بھی یکسر غلط ہے، جس کی تردید کیلئے خود حضرت حسینؓ کے برادر اکبر محمد الحنفیہ کا یہ بیان ہی کافی ہے جو انہوں نے اس کے متعلق اسی قسم کے افسانے سن کر دیا تھا۔ ترجمہ: ''تم ان سے متعلق جو کچھ کہتے ہو میں نے ان میں ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی، میں نے ان کے ہاں قیام کیا ہے اور میں نے انہیں پکا نمازی، خیر کا متلاشی، مسائل شریعت سے لگاؤ رکھنے والا اور سنت کا پابند پایا ہے۔ [البدایہ والنہایہ ۸/۲۳۳] علاوہ ازیں کم از کم ہم اہل سنت کو اس حدیث کے مطابق ہی یزید کو برا بھلا کہنے سے باز رہنا چاہیے جس میں رسول اللہ ﷺ نے غزوہ قسطنطنیہ میں شرکت کرنے والوں کے متعلق مغفرت کی بشارت دی ہے اور یزید اس جنگ کا کمانڈر تھا، یہ بخاری کی صحیح حدیث ہے اور آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے (أول جيش من امتي يغزون مدينة قيصر مغفور لهم) [صحیح بخاری، کتاب الجہاد، باب ما قیل فی قتال الروم] ترجمہ: ''میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر (قسطنطنیہ) پر لشکر کشی کرے گا وہ بخشا ہوا ہے''۔ یہ کاہن یا نجومی کی پیش گوئی نہیں کہ بعد کے واقعات اسے غلط ثابت کر دیں۔ اگر ایسا ہو تو پھر نبی ﷺ کے فرمان اور کاہن کی پیش گوئی میں فرق باقی نہ رہے گا، کیا ہم اس حدیث کی مضحکہ خیز تاویلیں کر کے یہی کچھ ثابت کرنا چاہتے ہیں؟ بعض لوگ امام مہلب کے قول کے حوالے سے کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا یہ قول مشروط ہے، اس بات سے کہ

ان شرکاء میں سے بعد میں کفر وارتداد کا ارتکاب نہ ہوا ہو۔ اگر کسی نے ایسا کیا تو وہ اس بشارت سے خارج ہو جائے گا لیکن امام مہلب کی اس تاویل میں کوئی وزن نہیں، معلوم نہیں کہ صحیح بخاری کے جلیل القدر شارحین اس تاویل کو بغیر کسی رد ونقد کے کیوں نقل کرتے آئے ہیں؟ حالانکہ یہ تاویل بالکل ویسی ہی ہے جیسی تاویل شیعہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں کرتے ہیں، وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے کہ آنحضرت ﷺ کی زندگی میں صحابہ کو رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کا سرٹیفکیٹ دیا گیا تھا لیکن آپؐ کی وفات کے بعد چونکہ (نعوذ باللہ) وہ مرتد ہو گئے اس لئے وہ اس کے مستحق نہیں رہے، اگر صحابہ کرامؓ کے بارے میں یہ لغو تاویل اہل سنت کے نزدیک قابل قبول نہیں تو پھر یزید کے بارے میں یہ تاویل کیوں کر صحیح ہو جائے گی؟

پھر محض امکان کفر وارتداد کو وقوع کفر وارتداد سمجھ لینا بھی سمجھ سے بالاتر ہے، مان لیجئے کہ حضور ﷺ کی پیش گوئی مشروط ہے اور کفر وارتداد کرنے والے اس سے خارج ہو جائیں گے لیکن اس کے بعد اس امر کا ثبوت بھی تو پیش کیجئے کہ یزید کافر ومرتد ہو گیا تھا اور پھر اسی کفر وارتداد پر اس کا خاتمہ بھی ہوا، جب تک آپ اس کا واقعی ثبوت پیش نہیں کریں گے بشارت نبوی ﷺ کو مشروط ماننے سے بھی آپ کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اگر یہ کہا جائے کہ قتل حسینؓ کا حکم یا اس پر رضا مندی یہی کفر وارتداد ہے تو یہ بھی لغو ہے، اول تو اس امر کا کوئی ثبوت نہیں کہ یزید نے حضرت حسینؓ کے قتل کا حکم دیا یا اس پر رضا مندی کا اظہار کیا، جیسا کہ امام غزالیؒ نے اس کی تصریح کی ہے۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ یزید نے ہی قتل کا حکم دیا تب بھی حکم قتل تو کجا، اگر وہ خود ہی حضرت حسینؓ کو قتل کرنے والا ہوتا، تب بھی محض قتل سے کافر ومرتد قرار نہیں پا سکتا، چہ جائیکہ حکم قتل سے، یہ بھی ایک کبیرہ گناہ ہی ہے، کفر وارتداد نہیں، چنانچہ ملا علی قاری حنفی لکھتے ہیں: ترجمہ: ''حضرت حسینؓ کے قتل کا حکم دینا بلکہ خود ان کا قتل کر دینا بھی مذہب اہل سنت کے مقتضی کے مطابق لعنت کا موجب نہیں (اس لئے کہ یہ کبیرہ گناہ ہی ہے) اور مرتکب کبیرہ گناہ کو کافر نہیں کہا جا سکتا، پس اہل سنت کے نزدیک کسی ظالم، فاسق شخص کیلئے متعین طور پر لعنت کرنی جائز نہیں''۔ [۸۶ طبع جدید]

ایک اور حنفی بزرگ مولانا اخوند درویزہ اسی قصیدہ امالی کی شرح میں لکھتے ہیں ''مذہب اہل سنت و جماعت آں ست کہ لعنت بغیر از کافر مسلمان را نیامدہ است، پس یزید کافر نبود بلکہ مسلمان سنی بود و کسے بگناہ کردن کافر نمی شود ورتمہید آوردہ است کہ قاتل حسین را نیز کافر نباید گفت، زیرا کہ بگناہ کردن کسے کافر نمی شود'' [شرح قصیدہ امالی، طبع ۱۳۱۳ھ لاہور] ''اہل سنت کا مذہب ہے کہ لعنت کرنا سوائے کافر کے کسی مسلمان کیلئے جائز نہیں یزید

کافر نہیں، سنی مسلمان تھا اور کوئی شخص محض گناہ کر لینے سے کافر نہیں ہوتا، تمہید میں ہے کہ خود قاتل حسینؓ کو بھی کافر نہیں کہا جا سکتا، اس لئے کہ گناہ کر لینے سے کوئی شخص کافر نہیں ہوتا"۔

الغرض یزید کو مغفرت کی بشارتِ نبوی ﷺ سے کسی طرح بھی خارج نہیں کیا جا سکتا، جن لوگوں نے ایسی کوشش کی ہے ان کے پاس سوائے بغض یزید اور جذبہ حب حسینؓ کے کوئی معقول دلیل نہیں۔

سب سے زیادہ تعجب بریلوی حضرات پر ہے کہ ایک طرف وہ آنحضرت ﷺ کو عالم ما کان و ما یکون تسلیم کرتے ہیں اور دوسری طرف آپ ﷺ کی دی ہوئی بشارت میں سے یزید کو خارج کرنے میں کوشاں ہیں، ہم تو آنحضرت ﷺ کو عالم الغیب تسلیم نہیں کرتے، البتہ بشارات کا منبع وحی اللہ رب العزت کو مانتے ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ مستقبل کے متعلق جتنی بھی پیش گوئیاں حضور ﷺ نے فرمائی ہیں، وہ اللہ تعالیٰ سے علم اور وحی پا کر کی ہیں جو کبھی غلط نہیں ہو سکتیں اور یہ حضرات تو خود حضور ﷺ کو بھی عالم الغیب مانتے ہیں لیکن پھر بھی ان کی پیش گوئی پر اعتقاد نہیں، کیسی عجیب بات ہے؟ ان لوگوں کے نزدیک اس بات کا کیا جواب ہے کہ جس وقت آنحضرت ﷺ نے غزوہ قسطنطنیہ کے شرکاء کی مغفرت کی خبر دی اس وقت آپؐ کا یہ علم تھا یا نہیں کہ اس میں یزید جیسا شخص بھی شامل ہوگا؟ اور یہ بھی آپؐ کو علم تھا یا نہیں کہ یزید بعد میں کافر و مرتد ہو جائے گا؟ اگر ان دونوں باتوں کا آپ ﷺ کو اس وقت علم تھا تو آپؐ نے یزید کو مغفرت کی بشارت سے خارج کیوں نہیں کیا؟ اور علم ہوتے ہوئے اگر آپؐ نے یزید کو خارج نہیں کیا تو اس کا مطلب کیا ہے؟ امید ہے یہ حضرات اپنے عقیدہ علم غیب کے مطابق ان سوالات کی وضاحت ضرور فرمائیں گے۔ بہر حال آنحضرت ﷺ نے غزوہ قسطنطنیہ کے شرکاء کی مغفرت کی جو پیشگوئی فرمائی ہے وہ بالکل برحق ہے اور یقیناً وہ سب "مغفور لہم" ہیں، اگر ان میں سے کوئی کافر یا مرتد ہونے والا ہوتا تو آپؐ اس کی بھی وضاحت فرما دیتے، اس لئے وہ سب شرکائے غزوہ یقیناً مسلمان تھے، غزوہ کے بعد ان کے کفر و ارتداد کا امکان محض ایک واہمہ، مفسطہ اور مفروضہ ہے، بشارت کا اقتضاء تو یہ ہے کہ ان کا خاتمہ بہر حال ایمان و اسلام پر ہونا چاہیے اور یہی ہمارا اعتقاد ہے کیونکہ اس اعتقاد کے بغیر ایک نبی ﷺ کی پیش گوئی اور کاہن و نجومی کی پیش گوئی میں فرق باقی نہیں رہ جاتا ہے، نبی ﷺ کی توہین کی ایسی جسارت ہم نہیں کر سکتے یہ تو انہی لوگوں کا جگرہ ہے جو "عشق رسول ﷺ" کے ٹھیکیدار بھی بنے پھرتے ہیں اور آپؐ کی پیش گوئی کو ایک نجومی اور اٹکل پچو سے زیادہ حیثیت دینے کیلئے بھی تیار نہیں۔ معاذ اللہ